برقی تصویر

مفتی شعیب عالم

(چوتھی قسط)

تخیل کا دخل

شاعری، نقاشی، موسیقی اور مصوری وغیرہ فنونِ لطیفہ کی قسمیں ہیں۔ فنون لطیفہ دو مختلف قسموں میں تقسیم کیے جاتے ہیں:

ایک: وہ جن سے باصرہ محظوظ ہوتا ہے۔

دوسرے: وہ جو سامعہ کو رام کرتے ہیں۔

مصوری باصرہ کی لذت اور نظر کی عشرت ہے، اس لیے قسم اول میں داخل ہے۔

فنون لطیفہ میں نقل نہیں، بلکہ تخلیق مقصود ہوتی ہے۔ تخلیق کی تفہیم میں شعر وشاعری کی تمثیل زیادہ مفید رہے گی۔ شاعر سوسائٹی کا ترجمان اور ایک حساس دل اور گہری نگاہ کا مالک ہوتا ہے۔ جب کوئی واقعہ، حادثہ، خیال یا منظر اُسے متاثر کرتا ہے تو وہ اور لوگوں کو اپنے محسوسات اور جذبات میں شامل کرنے کا فیصلہ کرتا ہے اور جب وہ منظر، تجربے یا واقعے کو بیان کرتا ہے تو اپنے تخیل کی مدد سے اسے بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے اور اس خیال آفرینی، رنگ آرائی اور مبالغہ آمیزی پر اس کی تحسین وتوصیف بھی کی جاتی ہے، مثلاً: وہ خوبصورت کو زیادہ خوبصورت اور بدصورت کو اور زیادہ بدصورت بنا کر پیش کرتا ہے۔ کہیں غربت دکھانی ہو تو حقیقت میں جتنی ہو اس سے زیادہ دکھاتا ہے، مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ متاثر ہوں اور وہی کچھ محسوس کریں جو وہ خود محسوس کر رہا ہے۔

شاعر کی طرح مصور جب کسی بصری منظر میں کوئی ایسا عنصر نمایاں کردے جو اصل میں نہ ہو تو اسے مصور کی تخلیق کہتے ہیں۔ مصور صرف نقش ونگار نہیں بناتا، مجرد خطوط نہیں کھینچتا، محض رنگوں کا استعمال نہیں کرتا ہے، بلکہ ایک ماہر نفسیات کی طرح دل ودماغ کی کیفیات کی باقاعدہ وضاحت کرتا ہے، وہ لطیف جذبات او باطنی احساسات کو نقوش کی مدد اور رنگوں کی زبان میں محسوس کرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر وہ صرف حقیقت کو بلا کم وکاست دکھائے یا اصل کو ہو بہو اور جوں کا توں پیش

کرے تو اس کی کاوش کو تخلیق نہیں کہیں گے، کیوں کہ صرف حقیقت کو جیسی وہ ہے، ویسے ہی دکھانا یا واقعے کو واقعہ دکھانا تخلیق نہیں ہے۔

بہرحال فنون لطیفہ میں تخلیق مقصود ہوا کرتی ہے، اس لیے مصوری میں بھی تخلیق ہی مقصود ہوا کرے گی، کیوں کہ مصوری فنونِ لطیفہ کی قسم ہے اور قاعدہ ہے کہ قِسم میں اس کا مَقسم موجود ہوا کرتا ہے، مقسم کے خواص اس کی قسم میں بھی پائے جاتے ہیں۔ دونوں میں کلیت اور جزئیت کا فرق ضرور ہوتا ہے، لیکن دونوں کا ہدف، مقصد اور حکم ایک ہی ہوا کرتا ہے۔

اب ذرا ماضی کے اوراق پلٹتے ہیں اور تصویر کے بارے میں بعض اہل علم کے نقطہ نظر کو اس کی روح کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فوٹو کے جواز پر علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ایک طویل مضمون سپردقلم فرمایا تھا، جو معارف اعظم گڑھ کے جون ۱۹۱۹ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا، مذکورہ مضمون میں حضرت سید صاحبؒ نے یہ سوال اٹھایا تھا کہ:

''فوٹو گرافی کیا مصوری ہے؟ اور فوٹو گرافر پر کیا مصور کا اطلاق ہوگا؟''

اور پھر مضمون کی اختتامی سطروں میں اپنے قائم کردہ سوال کا خود ہی یوں جواب دیا تھا:

> ''فوٹو گرافی درحقیقت عکاسی ہے۔ جس طرح آئینہ، پانی اور دیگر شفاف چیزوں پر صورت کا عکس اتر آتا ہے اور اس کو کوئی گناہ نہیں سمجھتا، اسی طرح فوٹو کے شیشہ پر مُقبِل کا عکس اترتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ آئینہ وغیرہ کا عکس پائیدار اور قائم نہیں رہتا اور فوٹو کا عکس مسالہ لگا کر قائم کرلیا جاتا ہے، ورنہ فوٹو گرافر مصور کی طرح اعضاء کی تخلیق وتکوین نہیں کرتا۔''

اس اقتباس سے واضح ہے کہ سید سلیمان ندویؒ تخلیق اور تکوین کو عکس اور تصویر کے درمیان ''وجہِ فرق اور مابہ الامتیاز'' سمجھتے ہیں، اور عکس اور تصویر کے درمیان پائیداری اور ناپائیداری کا فرق بھی انہیں تسلیم ہے، مگر ان کے نزدیک یہ فرق غیر اہم ہے، اس لیے اسے نظرانداز فرما رہے ہیں۔

شیخ محمد بخیت المطیعی کا موقف

معارف کے مذکورہ مضمون سے پہلے مصر کے شیخ الازہر علامہ محمد بخیت مطیعی فوٹو گرافی کے جواز کا فتوی دے چکے تھے، سید سلیمان ندویؒ بھی اپنے مضمون میں ان سے متاثر نظر آتے ہیں۔

شیخ محمد بخیت کا فرمانا تھا کہ فوٹو گرافی میں کسی شئے کا سایہ یا عکس ایک خصوصی تکنیک کی مدد سے حاصل کرلیا جاتا ہے، اس لیے وہ حرام نہیں ہے، کیوں کہ حرام یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اس جیسی کوئی ایسی شئے اپنے تخیل کی مدد سے بنانے کی کوشش کی جائے جس کا پہلے سے وجود نہ ہو،

جب کہ کیمرے سے لی گئی تصویر میں تصور اور تخیل کو کوئی دخل نہیں ہوتا ہے، بلکہ خدا کی مخلوق جیسی ہوتی ہے، ویسے ہی اس کا عکس اتار لیا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر کیمرا کوئی نئی صورت تخلیق نہیں کرتا ہے، بلکہ خدا ہی کی بنائی ہوئی مخلوق ہوتی ہے جس کا عکس کیمرا پیش کر دیتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جو کچھ ہم آئینے میں دیکھتے ہیں، اسے ایک جگہ پابند کرلیا جائے۔ کوئی نہیں کہتا کہ آئینے میں دیکھنا حرام ہے، کیوں کہ وہ تو صرف اللہ جل شانہ کی مخلوق کی شبیہ دکھاتا ہے۔

مصوری میں تخلیق مقصود ہوتی ہے۔ اگر یہ نکتہ ذہن میں مستحضر ہو تو مطلب یہ ہوا کہ کیمرے سے اتاری گئی تصویر انسان کے داخلی جذبات، باطنی احساسات اور قلبی تاثرات سے خالی ہوتی ہے، اس لیے اس میں تخلیق نہیں ہوتی اور تخلیق نہ ہو تو اُسے مصوری کہنا درست نہیں ہے۔

شیخ بخیت کے اس اصول کا اطلاق ویڈیو کیمرے پر بھی ہوتا ہے، کیونکہ ویڈیو کیمرا اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتا کہ زیادہ تعداد میں ساکت تصویریں کھینچ لیتا ہے، جنہیں تیزی سے ایک کے بعد ایک دکھانے سے وہ متحرک محسوس ہوتی ہیں، اس لیے جس طرح فوٹوگرافی درست ہے، اسی طرح ویڈیو فلم بھی جائز ہے۔

عرب دنیا میں شیخ بخیت کی تائید بھی ہوئی اور تردید بھی، ان کے موافق بھی لکھا گیا اور مخالف بھی۔ عام اہل علم نے ان کی رائے کے ساتھ اتفاق نہیں کیا، تاہم ان کی دلیل بعض عرب علماء کو متاثر کرنے میں کامیاب رہی۔ برصغیر کے بعض اعلیٰ دماغ اور مشہور ہستیاں بھی ان سے متاثر ہوئیں، مگر جب حق ان حق پرستوں پر واضح ہو گیا تو انہوں سلفِ صالحین کی یاد تازہ کرتے ہوئے برملا اپنے موقف سے رجوع فرمالیا۔

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ ماضی کے ان واقعات کے بارے میں بڑی حد تک چشم دید گواہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے ان تمام حالات کو دل کی آنکھوں سے دیکھا تھا اور بصیرت کی نگاہوں سے جانچا تھا۔ اس تاریخی علمی بحث کو، اس کے محرکات ومضمرات کو اور تصویر کے فتنے کے خلاف حضرت کشمیریؒ کی قیادت میں ان کے لائق وفائق تلامذہ کی مساعی کو بیان کرتے ہوئے حضرت بنوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

> ''حدیث نبوی میں تصویر سازی پر جو شدید وعید آئی ہے، وہ ہر جاندار کی تصویر میں جاری ہے، اور تمام امت جاندار اشیاء کی تصاویر کی حرمت پر متفق ہے۔ لیکن خدا غارت کرے اس مغربی تجدد کو کہ اس نے ایک متفقہ حرام کو حلال ثابت کرنا شروع کر دیا۔ اس فتنۂ اباحیت کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا مرکز مصر اور قاہرہ تھا، چنانچہ آج سے نصف صدی پہلے قاہرہ کے مشہور شیخ محمد بخیت مطیعی نے جو شیخ الازہر بھی تھے ''إباحة الصور الفوتوغرافية'' کے نام سے ایک

رسالہ تالیف کیا تھا، جس میں انہوں نے کیمرے کے فوٹو کے جواز کا فتویٰ دیا تھا۔ اس وقت عام علماء مصر نے ان کے فتوی کی مخالفت کی، حتیٰ کہ ان کے شاگردِ رشید علامہ شیخ مصطفیٰ حمامی نے اپنی کتاب ''النهضة الإصلاحية للأسرة الإسلامية'' میں اس پر شدید تنقید کی اور کتاب میں صفحہ: ۲۶۰ سے ۲۶۸ اور صفحہ: ۳۱۰ سے صفحہ: ۳۲۸ تک اس پر بڑا بلیغ رد لکھا، ایک جگہ وہ لکھتے ہیں: ''تمام اُمت کے گناہوں کا بار شیخ کی گردن پر ہوگا کہ انہوں نے امت کے لیے شر اور گناہ کا دروازہ کھول دیا۔

اسی زمانہ میں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے قلم سے ماہنامہ ''معارف'' میں ایک طویل مقالہ شیخ مطیعی کے رسالہ کی روشنی میں نکلا، اس وقت امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی اور اس مضمون سے واقف ہوئے تو آپ کی تحریک پر آپ کے تلامذہ میں سے حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ نے ماہنامہ ''القاسم'' میں اس پر تردیدی مقالہ شائع فرمایا۔ وہ مقالہ حضرت شیخ کشمیری رحمہ اللہ کی راہنمائی میں مرتب ہوا، جسے بعد میں ''التصوير لأحكام التصاوير'' کے نام سے حضرت مفتی صاحبؒ نے شائع فرمایا۔

یہ واضح رہے کہ حضرت سید صاحب موصوف مرحوم نے اپنی حیات طیبہ کے آخری سالوں میں جب کہ آپ کی عمر ساٹھ تک پہنچ چکی تھی، جن چند مسائل سے رجوع فرمالیا تھا، ان میں فوٹو کے جواز کے مسئلے سے بھی رجوع فرمایا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ جیسے آزاد صاحبِ قلم نے اگرچہ ذوالقرنین کو سائرس بناکر اس کے مجسمے کا فوٹو ترجمان القرآن میں شائع کیا تھا، لیکن بعد میں اُسے ترجمان القرآن کے تمام نسخوں سے نکال کر تصویر کے حرام ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔''(۱)

اہل حق گروہ کی یہ علامت ہے کہ وہ دین کی نشر و اشاعت کے ساتھ فتنوں کے تعاقب میں سرگرم رہتا ہے، اس طرح دین کے دفاع اور حفاظت کا اجر و ثواب بھی سمیٹ لیتا ہے۔ حضرت کشمیریؒ کو اس علمی رنگ میں اٹھنے والے فتنے کا بروقت احساس ہوا اور آپؒ نے علمی محاذ پر اس کی سرکوبی کی۔ آپ کی تحریک وترغیب، توجہ و اہتمام، علمی معاونت و رہنمائی اور آپؒ کے جلیل القدر تلامذہ کی مساعی اور مسلسل و پیہم ضربوں سے یہ فتنہ چاروں شانے چت ہوگیا۔ مفتی اعظم مفتی محمد شفیعؒ کی علوم انوری سے بھرپور ضرب تو بہت ہی کاری اور آخری ثابت ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے دین محمدی کو صنعتِ آزری سے محفوظ رکھا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے جو سوال قائم کیا تھا کہ فوٹو گرافی مصوری ہے یا نہیں؟ اور شیخ

بخیتؒ کی یہ دلیل کہ کیمرے کے ذریعے منظرکشی میں مصور کے تصور اور تخیل کو دخل نہیں ہوتا ۔ دونوں باتوں کا الگ سے جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ، کیونکہ دونوں کے موقف میں صرف الفاظ کا فرق اور تعبیر کا اختلاف ہے،مقصد اور نتیجہ ایک ہی ہے ،وہ یہ کہ فوٹو گرافر مصور نہیں ہے، کیونکہ فوٹوگرافی میں تصور وتخیل کو دخل نہیں ہوتا ہے ۔اس استدلال کا جواب حضرات اکابر سے اس طرح منقول ہے کہ شریعت نے صرف جاندار کی ظاہری سطح کا نقش بنا دینے کا نام ہی تصویر رکھا ہے، چاہے اس میں مصور کے تصور وتخیل کو دخل ہو یا نہ ہو۔

علاوہ ازیں یہ دلیل بھی درست نہیں کہ جس صورت میں مصور اعضاء کی تخلیق وتکوین نہ کرے تو وہ تصویرکشی جائز ہوجائے ، کیونکہ احادیث میں حرمتِ تصاویر کی متعدد وجوہ بیان کی گئی ہیں ۔ اگر کسی تصویر میں بالفرض ایک وجہ حرمت کی موجود نہ ہو تو اس سے وہ تصویر حلال نہیں ہوجاتی ، کیونکہ دوسری وجوہِ حرمت وہاں موجود اور قائم ہوتی ہیں، مثلاً : ان کا ذریعۂ شرک ہونا اور رحمت کے فرشتوں کے داخلہ سے مانع ہونا، وغیرہ ۔(۲)

متحرک تصاویر

کوئی کیمرا متحرک تصویر کھینچتا ہے، نہ ہی کوئی آلہ متحرک تصاویر دکھاتا ہے ۔مگر پھر بھی اسکرین پرجیتی جاگتی ، بولتی ،چلتی ، پھرتی ، بھاگتی اور دوڑتی تصویریں نظر آتی ہیں ۔اسکرین کے پیچھے ایک سرگرم اور چہل پہل سے بھرپور زندگی کا احساس ہوتا ہے ۔انسان دوڑتے ہوئے ، پرندے اُڑتے ہوئے ، درخت جھومتے ہوئے اور کھیت لہلہاتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔کھیل کے میدان میں گیند اچھل کر تماشائیوں میں جاگرتی ہے اور کشتی موجوں کو کاٹتی ہوئی ،سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی آگے بڑھ جاتی ہے ۔ یہ سب نقل وحرکت ہماری آنکھ کا دھوکہ اور مشاہدے کی غلطی ہے ۔انسانی حواس میں سے حاسۂ بصر کثرت سے دھوکہ کھاتی ہے ۔روزمرہ کی زندگی میں بارہا اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے،اس لیے اس بدیہی حقیقت پر دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں ۔

ناظر کو متحرک تصویر کا احساس اس طرح دلایا جاتا ہے کہ کیمرا ایک ہی منظر کی معمولی فرق کے ساتھ زیادہ تعداد میں ساکت تصویریں کھینچ لیتا ہے اور جب انہیں تیزی سے یکے بعد دیگرے دکھایا جاتا ہے تو ناظر کو اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ کب ایک تصویر آنکھوں سے اوجھل ہوئی اور اس کی جگہ دوسری نے لے لی، یوں تیز رفتار تسلسل سے منظر متحرک اور مسلسل محسوس ہوتا ہے ۔

اس فنی کاریگری کے علاوہ ایک وجہ اور بھی ہے جو تسلسل کا احساس دلاتی ہے ۔ جب ہم کسی جسم کو دیکھتے ہیں تو آنکھوں سے دور ہوجانے کے باوجود سیکنڈ کے سولہویں حصے تک اس کا نقش ہمارے دماغ پر رہتا ہے ۔آنکھ کی اس خاصیت کو نظر کی بقاء(Persistence Of Vision) کہتے

ہیں۔ ابھی ایک تصویر کا نقش ہمارے ذہن سے غائب نہیں ہوتا ہے کہ فوراً دوسری تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اگر ہم اسی طرح ایک سیکنڈ میں کئی لگاتار تصویریں دیکھیں تو ہمیں تسلسل کا احساس ہوگا، کیوں کہ ایک تصویر کا اثر ختم ہونے سے پہلے دوسری کا اثر شروع ہوجائے گا۔

متحرک تصاویر کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد اب سینما کے موضوع پر خامہ فرسائی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ اصل مقصد اس بحث کو چھیڑنے کا یہ ہے کہ کیا سینما کی تصویر متحرک اور غیر قار ہونے کی بناء پر تصویر کی تعریف سے خارج ہے؟

سینما کی متحرک تصویریں

سینما میں سلسلہ وار تصویروں کا سامنے کے پردے پر عکس ڈالا جاتا ہے۔ تیز رفتار تسلسل سے آنکھ کو منظر متحرک محسوس ہوتا ہے اور تصویریں چمک دمک دکھانے کے بعد آن کی آن میں غائب ہوجاتی ہیں، جس سے ان کے ناپائیدار اور غیر قار ہونے کا تصور پختہ ہوتا ہے، حالانکہ حقیقت اس طرح نہیں ہوتی جس طرح نظر آتی ہے۔ تمام تصویریں ساکن ہوتی ہیں، مگر ان کا سکون انتہائی قلیل وقفے کے لیے ہوتا ہے اور جو حرکت نظر آتی ہے وہ آنکھ کا دھوکہ ہے اور یہی دھوکہ ان آلات کا کمال ہے:

کجی بھی کمال ہے مگر کمان کے لیے

سینما کی ابتدائی شکل

اگر ہم پیچھے لوٹ کر دیکھیں تو سینما کی ایک دلچسپ نظیر تاریخ میں ملتی ہے، جسے سینما کی ابتدائی اور سادہ شکل کہنا زیادہ مناسب ہے اور وہ ہے لالٹین کی روشنی میں پتلی تماشا۔ زمانہ قدیم سے لوگ اس تماشے سے لطف اندوز ہورہے تھے، مگر یہ تماشہ غیر مستقل ہوتا تھا اور ایک خاص ماحول تک محدود رہتا تھا۔ موجدوں نے اُسے مستقل کیا اور وسعت دی۔ آج کا سینما اسی پتلی تماشا کی جدید اور وسیع شکل معلوم ہوتا ہے۔

ہماری فقہی کتابوں میں ''صور الخیال'' کا ذکر ملتا ہے۔ ''صور الخیال'' کا تعارف موسوعہ فقہیہ میں اس طرح کرایا گیا ہے:

''فإنهم كانو يقطعون من الورق صوراً للأشخاص ،ثم يمسكونها بعصى صغيرة و يحركونها أمام السراج فتنطبع ظلالها على شاشة بيضاء،يقف خلفها المتفرجون، فيرون ما هو فى الحقيقة صورة الصورة''۔

ترجمہ:.... ''اس لیے کہ وہ ورق سے اشخاص کی تصویریں کاٹ لیتے تھے، پھر اس کو چھوٹے چھوٹے ڈنڈے کے ذریعے روک لیتے تھے اور چراغ کے سامنے اس کو حرکت دیتے تھے، تو اس کا سایہ سفید پردہ پر ڈھل جاتا تھا، جس کے پیچھے تماشائی

کھڑے ہوتے تھے اور وہ چیز دیکھتے تھے جو درحقیقت تصویر کی تصویر ہوتی تھی‘‘۔

سینما اور ٹی وی کی تصاویر بھی اسی طرح دکھائی جاتی ہیں، فرق یہ ہے کہ ’’صور الخیال ‘‘ میں انداز بالکل سادہ تھا، اور اس تماشے سے لطف اندوز ہونے والے کم تھے، اور عکس ایک محدود ماحول میں ہی دیکھا جاسکتا تھا، اور اسے محفوظ اور مستقل کرنا ممکن نہ تھا، جب کہ آج جدید ترین الیکٹرانک مشینوں کے ذریعے ممکن ہوگیا ہے کہ پہلے جس کو صرف ایک پردہ پر دکھایا جاتا تھا، وہ آج بیک وقت لاکھوں پردوں پر شعاعوں کے ذریعہ منتقل کردیا جاتا ہے، دنیا بھر کے ناظرین اپنے گھروں میں بیٹھ کر اسے ملاحظہ کرسکتے ہیں۔ اسے آئندہ کے لیے محفوظ کرنا ممکن ہوگیا ہے، اور مشکل سے نہیں بلکہ آسانی سے، اور صرف قریب تک نہیں بلکہ بہت دور تک، اور طویل مدت میں نہیں بلکہ بہت قلیل وقت میں اس کا نشر و ارسال ممکن ہوگیا ہے۔

’’صور الخیال ‘‘ ناجائز ہیں تو سینما اور ٹی وی کی تصویر بھی ناجائز ہونی چاہیے، کیونکہ دونوں میں فرق صرف قدیم اور جدید، سادہ اور ترقی یافتہ اور محدود اور وسیع کا ہے۔

’’صور الخیال ‘‘ کے متعلق علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

’’... کمثل صور الخیال التی یلعب بھا ،لأنھا تبقیٰ معه صورة تامة .‘‘

ترجمہ: ...’’جیسے خیال کی وہ تصویریں جن سے کھیلتے ہیں، کیوں کہ اس کے ساتھ مکمل تصویر باقی رہتی ہے (لہٰذا ناجائز ہے)‘‘۔ (۳)

روشنی... تصویر کا مادہ؟

ریل کے فیتے پر جو نقوش ثبت ہوتے ہیں، ان کے تصویر ہونے میں تو ہمارے ہاں کسی کا اختلاف نہیں، مگر ان نقوش میں سے روشنی گزار کر سامنے پردے پر جب ان کا عکس ڈالا جاتا ہے تو اکابر کی نگاہ میں وہ بھی تصویر ہے، حالانکہ پردے پر صرف روشنیاں پڑتی ہیں اور رنگ کی طرح اس پر قرار نہیں پکڑتی ہیں۔ پس اگر سینما کی تصویر روشنیاں ہونے کے باوجود تصویر ہے تو ٹی وی کی اسکرین پر نمایاں ہونے والی شکلوں کو بھی تصویر کہنا چاہیے، کیوں کہ:

۱۔ روشنی ہونے میں

۲۔ اور پائیدار اور ناپائیدار ہونے میں

۳۔ اور اپنے محل پر رنگ کی طرح قرار نہ پکڑنے میں ٹی وی اور سینما کی تصویر برابر ہے۔

دونوں میں اگر فرق ہے تو صرف اس قدر ہے کہ ٹی وی میں روشنی کی کرنیں پیچھے سے پڑتی ہیں، جبکہ سینما میں سامنے سے ڈالی جاتی ہیں۔ یہ فرق کس قدر اہم ہے، اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ٹی وی کی اسکرین پر جس طرح روشنیاں چمکتی ہیں اور آن کی آن میں غائب ہوجاتی ہیں، یہی

حال سینما کی تصویر کا بھی ہے، مگر اکابر نے اس پہلو کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے، کیوں کہ ایسا انسانی صنعت کی بدولت ہوتا ہے۔خودکار نظام جو انسان ہی کا تخلیق کردہ ہے، اس کے تحت خود بخود ایک منظر کی جگہ دوسرا منظر لے لیتا ہے۔ڈیجیٹل اور غیر ڈیجیٹل کا فرق یہ ہے کہ ڈیجیٹل تکنیک میں پوری تصویر تبدیل نہیں ہوتی، بلکہ صرف مطلوبہ حصے میں جس میں حرکت ہو، وہاں تبدیلی ظاہر کر دی جاتی ہے۔ان سب کے باوجود انسان چاہے تو منظر کو روک سکتا ہے اور اسے سست روی سے بھی دیکھ سکتا ہے۔

علاوہ ازیں ان آلات کی وضع متحرک منظر نمائی کے لیے ہے، اگر ایک ہی تصویر اسکرین پر برقرار رہے تو ان آلات کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

سینما کے متعلق اکابر کا موقف

یہ کہنا کہ سینما کی نقل وحرکت بھی تصویر ہے، اکابر کی اکثریت اس پر متفق ہے۔ امداد الفتاویٰ میں ’’**تصحیح العلم فی تقبیح الفلم**‘‘ کے نام سے سینما کے ناجائز ہونے پر ایک مستقل رسالہ ہے، جس میں دیگر وجوہات کے علاوہ تصویر کو بھی سینما کی حرمت کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ امداد الفتاویٰ میں اس حوالے سے اور بھی فتاویٰ موجود ہیں، چند ایک ملاحظہ کیجئے:

’’از ناچیز......سلام مسنون: یہ سینما کا کھیل تصاویر متحرکہ کا تماشا ہے،اس سے پہلے ایک قسم کا باجا بجایا جاتا ہے،اس کے بعد بجلی کے ذریعے سے تصاویر، متحرکہ کی جاتی ہے‘‘۔ (۴)

ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

’’جواب: سینما میں جبکہ تصاویر محرمہ موجود ہیں، اور شئے محرم سے انتفاع وتلذذ ناجائز ہونا معلوم ہے، پھر سوال کی کیا گنجائش ہے؟ اور اس سے جو مقصود لکھا ہے، اولاً تو مقصود کی مشروعیت طریق کی اباحت کو مستلزم نہیں، پھر مقصود بھی کونسا ضروری ہے۔اور باجے کا منضم ہونا اور بھی قبح کو بڑھا دیتا ہے‘‘۔ (۵)

فلم بینی کی حرمت کی وجوہات ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’اس میں تصویروں کا استعمال اور ان سے تلذذ ہوتا ہے، اور اس کے قبح میں کسی کو کلام نہیں، گو عابدین ہی کی تصاویر ہوں۔حضور ﷺ نے حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی تمثال جو بیت اللہ کے اندر بنائی گئی تھیں، ان کے ساتھ جو معاملہ فرمایا ہے، معلوم ہے‘‘۔ (۶)

گھر میں ٹیلی ویژن رکھنے کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’ٹیلی ویژن لہو ولعب اور گانے بجانے کا آلہ ہے، اس میں جاندار تصاویر کی

بھرمار ہوتی ہے۔‘‘(۷)

فقیہ ملت مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہٗ ایک استفتاء کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

’’فلم ’’خانۂ خدا‘‘ کا دیکھنا اسی طرح حرام ہے، جس طرح کہ دوسری فلمیں۔ دراصل سینما یورپ کی بے حیا اور عریاں تہذیب کی اشاعت کا سب سے بڑا اور مؤثر ذریعہ ہے۔ فلم ’’خانۂ خدا‘‘ میں یہ تمام شرعی محرمات موجود ہیں، اس لیے اس کا دیکھنا حرام ہے۔ بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا کیے گئے ہیں کہ اس فلم سے حج اور زیارت کی ترغیب ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ محرمات شرعیہ کا ارتکاب کرکے حج کی ترغیب دینی جائز نہیں ہوسکتی۔ اسلامی تعلیم میں حرام کو خیر کا فریضہ نہیں بنایا جاسکتا‘‘۔(۸)

ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

سوال:......کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ آج کل ایک فلم موسومہ ’’اللہ اکبر‘‘ کا بہت چرچا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس میں تمام ممنوعات شرعیہ سے احتراز کیا گیا ہے۔ اندریں حالات اس کا دیکھنا جائز ہے یا ناجائز؟ نیز عدم جواز حقیقی ہے یا کہ اضافی یعنی محلی؟

جواب:.....ناجائز ہے، اس لیے کہ اس میں لوگوں کی تصویریں وغیرہ دکھائی جاتی ہیں۔ اگر صرف مقام مقدسہ کی زیارت کرائی جاتی ہو تو اس میں قباحت نہیں ہے۔(۹)

مزید ملاحظہ کیجئے:

’’الجواب:.....کوئی فلم اور سینما تصویروں سے خالی ہوتا ہی نہیں، بلکہ فحش اور مخرب اخلاق تصاویر جتنی زیادہ ہوں لوگ اس میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ یہ فلم ’’اللہ اکبر‘‘ بھی تصاویر سے بھرپور ہے....(۱۰)

خیر الفتاویٰ میں حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ کا جواب درج ذیل الفاظ کے ساتھ منقول ہے:

’’....پھر کوئی فلم عورتوں اور مردوں کی تصویرات سے خالی نہیں ہوسکتی، ساز وآواز بھی اس کے لیے لازم ہے، جنہیں شریعت مطہرہ نے حرام قرار دیا ہے۔ احکام خداوندی توڑ کر محرمات شرعیہ کا ارتکاب کرتے ہوئے تبلیغ کا دعویٰ غضب خداوندی کو دعوت دینا ہے۔‘‘(۱۱)

شہید حق حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر ملاحظہ کیجئے:

’’ہماری شریعت میں جاندار کی تصویر حرام ہے اور آنحضرت ﷺ نے اس پر لعنت

فرمائی ہے، ٹیلی ویژن اور ویڈیو فلموں میں تصویر ہوتی ہے۔ جس چیز کو حضور ﷺ حرام اور ملعون فرمارہے ہوں، اس کے جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔‘‘(۱۲)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اپنے رسالہ ’’تصویر کے شرعی احکام‘‘ میں لکھتے ہیں:

مسئلہ: اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سینما کا دیکھنا اگر دوسری خرابیوں سے قطع نظر بھی کی جائے تو اس کی ممانعت کے لیے صرف یہ کافی ہے کہ اس میں تصاویر دکھلائی جاتی ہیں۔ پھر جب حالات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اس سے بھی زیادہ بہت سے منکرات ومحرمات خود عمل میں آجاتے ہیں اور بہت سے معاصی کے لیے اس کا دیکھنا سبب قریب بنتا ہے۔ اس لیے اس تماشے کا دیکھنا دکھلانا سب حرام ہے... الی آخرہٖ۔(۱۳)

قدیم اور جدید کا فرق

اس عنوان کے تحت قانونِ ارسطو کے ذریعہ قدیم اور جدید کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے، مناطقہ کے علاوہ فقہاء بھی اُسے ذکر کرتے ہیں، اس لیے اس سے کام لینے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا ہے۔

تصویر کے مسئلے میں سب سے پہلے مصور کے ذہن میں خاکہ آتا ہے، جسے وہ قلم یا برش کے ذریعہ کاغذ وغیرہ پر اتار لیتا ہے اور اگر وہ سنگ تراش ہے تو اوزار کی مدد سے بت تراش لیتا ہے، اگر آرٹسٹ ہے تو کینوس پر رنگ بکھیر کر اپنے ذہنی خاکے کو رنگوں کی زبان میں محسوس کرادیتا ہے۔ کیمرے کی ایجاد نے قلم اور برش اور رنگ وروغن سے بے نیاز کردیا ہے، اب کیمرا اِن کاموں کو بہت سرعت اور سہولت اور نہایت نفاست اور خوبی کے ساتھ انجام دیتا ہے۔ گویا دونوں میں فرق آلے کا ہے۔ لیکن اس فرق کو غیر اہم قرار دے کر فوٹو کو تصویر کہا گیا ہے۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ لکھتے ہیں کہ:

’’یہ منطق سمجھ سے بالا ہے کہ انسان ہاتھ سے کوئی کام کرے وہ تو حرام ہو اور وہی کام مشین سے لینے لگے تو وہ حلال ہوجائے۔‘‘

دوسرا فرق مادے کا ہے۔ رنگ وروغن کی جگہ روشنی کے نقطوں نے لے لی ہے اور کاغذ اور کپڑے کی بجائے اب ٹی وی اور مانیٹر کی اسکرین استعمال ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ علت مادی میں بھی تبدیلی آئی ہے، مگر یہ فرق بھی جوہری اور بنیادی نہ ہونے کی وجہ سے نظر انداز کیا جائے گا، کیونکہ علت مادی کا فرق غیر مقصود ہونے کی بناء پر کوئی قابل لحاظ فرق نہیں ہوتا ہے۔ اگر مادے کا فرق حکم میں اثر کرتا تو چار حرام شرابوں کے علاوہ بقیہ شرابیں جائز ہونی چاہئے تھیں۔ یہ غیر معقول معلوم ہوتا ہے کہ کوئی الیکٹرانک آلہ ڈیٹا کو تصویر میں تبدیل کرکے روغنی کاغذ پر ظاہر کردے تو وہ تصویر کہلائے اور وہی آلہ اسی مواد کو تصویر میں بدل کر اسکرین پر نمایاں کردے تو اسے تصویر نہ کہا

جائے۔ یہ فرق حقیقت کا فرق نہیں ہے، بلکہ مادے کا فرق ہے اور ہر مادے کے اپنے خواص ہوتے ہیں۔ رنگ کا خاصہ قائم اور پائیدار ہونا ہے، جب کہ روشنی اس طرح قائم اور پائیدار نہیں ہوتی، جس طرح رنگ ہوتا ہے، مگر اپنی نوعیت کے مطابق ضرور پائیدار ہوتی ہے۔

علت صوری میں ہاتھ سے بنائی ہوئی اور کیمرے سے اتاری گئی دونوں برابر ہیں، بلکہ کیمرے کو کئی وجوہ سے برتری حاصل ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کیمرے کے ذریعے صورت گری میں تصور اور تخیل کو دخل نہیں ہوتا ہے، مگر جب شریعت جان دار کے ظاہری نقش ونگار اور خط وخال کو ہی تصویر کہتی ہے تو یہ اعتراض بھی وزن کھو دیتا ہے۔

علت غائی کا ذکر رہ گیا ہے۔ انسان کو آمادہ کرنے والی اور کسی فعل پر ابھارنے والی علت غائی ہوتی ہے۔ یہ محرک اور باعث کا کام دیتی ہے۔ چاروں علتوں میں علت غائی ہی اصل علت اور ''**علة العلل**'' ہوتی ہے، کیونکہ حکم کے لیے مدار یہی علت بنتی ہے۔ ''**الأمور بمقاصدها**'' میں علت غائی کا ہی بیان ہے۔ یہ علت ہاتھ کے ذریعے صورت سازی اور کیمرے کے ذریعے منظر کشی، دونوں میں یکساں ہے۔ دونوں کا مقصد اصل کی نقل وحکایت ہے اور دونوں سے مقصود اصل کا ''بصری ریکارڈ'' محفوظ رکھنا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) ماہنامہ بینات، ذوالحجہ ۱۳۸۹ھ بمطابق فروری ۱۹۷۰ء۔
(۲) ملاحظہ کیجیے: تصویر کے شرعی احکام، ص: ۶۱، ط: ادارۃ المعارف، سن: ۲۰۰۵ء۔
(۳) از رسالہ ''بحث ونظر'' مع زیادۃ وتغییر، راشد حسین ندوی، دعوتی وتبلیغی مقاصد کے لیے الیکٹرانک ذرائع کا استعمال۔
(۴) امداد الفتاویٰ، کتاب الحظر والاباحۃ، غناء مزامیر اور لہو ولعب وتصاویر کے احکام، ۴/۲۵۷، ط: دار العلوم کراچی۔
(۵) ایضاً۔
(۶) امداد الفتاویٰ، مسائل شتی، ۴/۳۸۶، ط: دار العلوم کراچی۔
(۷) فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحظر والاباحۃ، باب التصویر، ۱۰/۱۴۷، ط: داالاشاعت۔
(۸) فتاویٰ مفتی محمود، باب الحظر والاباحۃ، ۱۰/۲۲۰، جمعیت پبلی کیشنز۔
(۹) فتاویٰ مفتی محمود، باب الحظر والاباحۃ، ۱۰/۴۵۲، ط: جمعیت پبلی کیشنز۔
(۱۰) فتاویٰ مفتی محمود، باب الحظر والاباحۃ، ۱۰/۴۵۲، ط: جمعیت پبلی کیشنز۔
(۱۱) خیر الفتاویٰ، ما یتعلق بالانبیاء والصلحاء، ۱/۲۳۰، ط: خیر المدارس۔
(۱۲) آپ کے مسائل اور ان کا حل، فلم دیکھنا، ۸/۴۳۴ ط: مکتبہ لدھیانوی۔
(۱۳) تصویر کے شرعی احکام، ص: ۹۰، ط: ادارۃ المعارف کراچی۔

(جاری ہے)